Research Journal
Tahqeeqat
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل
تحقیقات

عذرا اصغر کا تخلیقی اظہار: افسانوں میں سماجی حقیقت نگاری کا تجزیاتی مطالعہ

Azra Asghar's Creative Expression: An Analytical Study of Social Realism in Her Short Stories

Dr. Anjum Mubeen
Lecturer, Department of Urdu Language & Litertaure NUML, Islamabad

ڈاکٹر انجم مبین
لیکچرار شعبہ اردو زبان و ادب نمل، اسلام آباد

Abstract

Azra Asghar is a distinguished contemporary Urdu fiction writer known for her profound portrayal of societal realities through her short stories. Her narratives skillfully address themes such as social injustice, gender inequality, class disparity, and the psychological dimensions of human relationships. This study offers a critical analysis of the elements of social realism in Azra Asghar's short stories, focusing on how her creative expression mirrors the socio-cultural challenges of the modern era. Using thematic and stylistic analysis, the research explores the ways in which her storytelling brings to light the voices of marginalized individuals and exposes the structural inequalities embedded in society. Her characters often grapple with inner conflicts shaped by external pressures, reflecting a deep awareness of the complex interplay between the individual and the collective social environment. The study further examines how Azra Asghar's fiction transcends conventional storytelling by blending realism with emotional depth, making her work not only artistically significant but also socially relevant. Through this exploration, the research affirms her contribution to contemporary Urdu literature as a writer whose work serves as both a mirror and a critique of evolving social values. Her short stories emerge as powerful narratives that engage with pressing social issues, making her voice an important one in the discourse on social realism in Urdu fiction.

Keywords: *Realities, Society, Psychological, Human Relationships, Social Issues, Challenges*

کلیدی الفاظ: حقائق، معاشرہ، نفسیاتی، انسانی تعلقات، معاشرتی مسائل، چیلنجز

عذرا اصغر کا نام خواتین افسانہ نگاروں کی صف میں اہمیت کا حامل ہے انھوں نے افسانے کو نیا لہجہ اور آہنگ دیا۔ ادب سے رغبت اور ادبی ذوق بچپن سے ہی عذرا اصغر کے مزاج اور طبیعت کا حصہ بنا جو وقت کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا رہا۔ انھوں نے سب سے پہلی کہانی 1947 میں سات آٹھ سال کی عمر میں لکھی۔ جس میں اپنے والدین کی بپتا بیان کی اور ایک بیٹی کی حیثیت سے اپنے جذبات کو قلم بند کیا۔ اس دور میں بیٹیوں کا پڑھنا پڑھانا یا لکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ لہذا عذرا اصغر نے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز اپنے خاندان سے چھپ کر لکھنے سے کیا جس کا اظہار انھوں نے ان الفاظ میں کیا:

> " تخلیقی سفر کا آغاز جس عمر میں ہوا وہ اتنی چھوٹی اور لاشعوری کی تھی کہ جس کا تعین میں خود بھی نہیں کر سکتی۔ گھر میں ادبی رسائل بھی آتے تھے کتابیں بھی آتی تھیں بڑے بہن بھائی ان پر گفتگو بھی کرتے تھے میں سنتی تھی اور سب سے چھپ کر بعض کتابیں بھی پڑھ لیتی تھی مجھے یاد ہے کہ میں نے سب سے پہلی کتاب شفیق الرحمان کی کرنیں پڑھی جو شاید اس زمانے میں نئی نئی چھپی تھی افسانے میں پوری طرح سمجھتی تھی یا نہیں لیکن ان کہانیوں کی فضا نے مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری کر دی تھی۔ میں ایک محروم بچی تھی باپ سے بچھڑی ہوئی بس وہیں سے میرے تخلیقی سفر کا آغاز ہوا۔ میں نے اپنے گھر کی کہانی لکھی اور پکڑنے جانے پر خوب جھاڑ کھائی"(1)

چونکہ عذرا اصغر کے والد نے دوسری شادی کرلی تھی جس کی وجہ سے گھر کے سبھی افراد ایک محتاط اور سہمی ہوئی زندگی گزار رہے تھے اور اُن کے بھائی شاید یہ ذمہ داری لینے کو تیار نہیں تھے کہ ان کی چھوٹی بہن کا نام رسائل میں چھپے اور لوگوں کی زبان پر آئے لیکن صلاحیتیں تادیر چھپی نہیں رہ سکتی اور کچھ کر گزرنے کا جذبہ ہو تو اس کو روکا نہیں جاسکتا۔ اس زمانے میں ڈھاکہ سے ایک رسالہ زیب النسا نکلتا تھا۔ عذرا اصغر اس میں خطوط لکھا کرتی تھیں۔ اسی کے ذریعے ایک لڑکی سے دوستی ہوئی تو عذرا نے اس کو اپنے افسانے بھیجنا شروع کیے اور ہجرت کے بعد جب وہ اپنے خاندان کے ساتھ لائل پور میں مقیم ہوئیں، کچھ آزادی میسر ہوئی اور گھر والوں کی طرف سے حوصلہ افزائی ہوئی تو کھل کر لکھنا شروع کیا۔ شادی کے بعد اصغر مہدی کی رفاقت اور شوہر کی حوصلہ افزائی نے عذرا اصغر کو ادبی دنیا سے متعارف کروایا تو ان کی پہلی باقاعدہ کہانی "آشائیں سو گئیں کے عنوان سے ہوا۔ گو عذرا اصغر نے ادبی سفر کا آغاز ساٹھ کی دہائی میں ہوا اور چوں کہ ساٹھ کی دہائی میں نیا افسانہ وجود میں آچکا تھا ہر طرف جدید کا شور بلند تھا جس سے اردو ادب خاص طور پر افسانہ اور نظم بہت متاثر ہوئے علامت، تجرید اور تمثیل کا عمل جاری تھا۔ اس دور میں عذرا اصغر نے جدید پیرایہ تو ضرور استعمال کیا لیکن وہ بیانیہ افسانے کی روایت سے وابستہ رہیں۔ اس ضمن میں بشیر سیفی اپنی کتاب تنقیدی مطالعے میں لکھتے ہیں:

> "عذرا اصغر نے اپنا پہلا افسانہ 1962 میں لکھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب اردو افسانہ بڑی تیزی سے منقلب ہو رہا تھا علامت اور تجرید کا طوفان افسانے کو خش و خاشاک کی طرح بہالے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اس کے باوجود عذرا نے اپنا رشتہ کلاسیکی افسانے سے جوڑا اور بڑی ثابت قدمی سے اس پر قائم رہیں ان کی سبھی کہانیاں بیانیہ کی روایت سے منسلک ہیں جو پریم چند سے احمد ندیم قاسمی تک چلی آتی ہیں۔"(2)

اُس دور میں اردو افسانہ دو راستوں پر چلتا نظر آتا ہے۔ ایک طرف حقیقت نگاری اور دوسری طرف رومانوی انداز ہے۔ حقیقت نگاری نے بیانیہ کو فروغ دیا رومانیت سے علامتی پیرایہ اظہار کو فروغ ملا۔ عذرا اصغر نے جدید پیرایہ اظہار کو اپناتے ہوئے سیدھی سادی حقیقت نگاری کو اپنایا اور بیانیہ افسانے میں روایت سے جڑت کو اپنا مطمع نظر بنایا عذرا اصغر کی کہانیوں کا بنیادی موضوع عورت اور محبت ہے۔ انھوں نے اپنی کہانیوں میں عورت کے رویے، دکھ سکھ، نفسیات اور زندگی بسر کرنے کے انداز کو بے باکانہ انداز میں اجاگر کیا ان کی کہانیوں کا بنیادی مقصد عورت کو شعور دلانا اور اپنے حقوق کی جنگ لڑنا ہے اس معاشرے میں جہاں مرد کو مرکزی حیثیت حاصل ہے وہاں مرد کی بے وفائی، منافقت اور اس کے جبر سے عورت کو آزاد کروانا ہے. ان کے افسانوں میں عورت مسائل کا مردانہ وار مقابلہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے اس کے علاوہ وطن سے محبت جنسی، سیاسی و سماجی اور معاشرتی ناہمواریاں ان کے افسانوں کا موضوع ہیں۔ ساٹھ کی دہائی کے تناظر میں دیکھا جائے تو 60 کی دہائی کی عام عورت تعلیم، شعور، آزادی اور حقوق جیسے الفاظ سے زیادہ مانوس نہیں تھی ایسے میں ایک حساس ادیب پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ جو محسوس کرے اس کو ادب کے ذریعے منظر عام پر لانے اور شعور کو عام کرنے میں اپنے حصے کا فرض ادا کرے۔ عذرا اصغر نے اپنی تخلیقات کے ذریعے زندگی، انسان، ماحول اور معاشرے کے حوالے سے اپنے تجربات کو بیان کیا۔ جن میں یا تو وہ ذاتی طور پر خود شریک رہیں۔ یا ان کی باریک بینی نے ان کے شعور کا حصہ بنایا۔ عذرا اصغر کے تین ناول دل کے رشتے 1970 اور شجر بے سایہ منظر عام پر آچکے ہیں۔ اس کے علاوہ پانچ افسانوی مجموعے جن میں پت جھڑ کا آخری پتا 1980، بیسوی صدی کی لڑکی 1989، تنہا برگد کا دکھ 1990 اور گدلا سمندر 1998 وغیرہ چھپ چکے ہیں اردو افسانوں کے علاوہ 12 پنجابی افسانے بھی مختلف رسائل میں چھپ چکے ہیں۔ جن میں مجبوری، ڈبڈھے کنڈھے اور یاداں را اجیارا خاص طور پر قابل ذکر ہیں انھوں نے بچوں کے لیے بھی کہانیاں تحریر کیں جو بچوں کے شمارے ماہنامہ " تعلیم و تربیت" میں چھپتے رہے۔ ان کے اردو افسانے اور ناول وقتاً فوقتاً مختلف

ادبی رسائل و جرائد مثلاً افکار، نیرنگ خیال، متاع کارواں (سکھر)، نیرنگ خیال (لاہور)، تخلیق، بانو، حور، اردو ڈائجسٹ، سیارہ ڈائجسٹ اور اردو ماہنامہ چنداکے ذریعے منظر عام پر آتے رہے۔

انھوں نے ریڈیو کے لیے کچھ ڈرامے بھی لکھے۔ پہلا ڈرامہ لاہور ریڈیو سٹیشن سے براڈ کاسٹ ہوا اور جس کو مقابلہ جشنِ تمثیل میں اول پوزیشن بھی ملی۔ دوسرا ڈراما اسلام آباد ریڈیو اسٹیشن سے براڈ کاسٹ ہوا جشنِ تمثیل مقابلے میں اول آیا۔ اُن کے افسانوں کی ٹی وی کے لیے ڈرامائی تشکیل بھی ہوئی۔ جو مستنصر حسین تارڑ نے کی اس افسانے کا نام ہیڈ کوارٹر تھا جو کہ ان کے افسانوی مجموعے "تنہا برگد کا دکھ" میں شامل ہے۔ عذرا اصغر کے کئی افسانوں کے تراجم بھی مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ جن میں سندھی، گورمکھی، ہندی اور انگریزی شامل ہیں۔ ایک انٹرویو میں چینی زبان میں افسانوں کے تراجم کے حوالے سے عذرا اصغر خود بتاتی ہیں:

"میرے افسانے بغیر کسی ذاتی کاوش کے چینی زبان میں ترجمہ ہوئے مجھے آفتاب عالم شمیم (جدید نظم کے شاعر) نے بتایا کہ چائنا میں آپ کے افسانے ترجمہ ہوئے ہیں اور بیجنگ یونیورسٹی میں پوسٹ گریجویٹ سطح پر پڑھائے جا رہے ہیں۔ اکادمی ادبیات پاکستان نے بھی بہت سے ادیبوں کے افسانوں کے تراجم سات غیر ملکی زبانوں میں کرائے ان میں میں بھی شامل ہوں"(3)

انگریزی پرچا ٹائمز جو کراچی سے نکلتا ہے۔ 1980 کے لگ بھگ اشفاق نقوی نے ان کے افسانوں کے انگریزی میں تراجم کر کے شائع کیے عذرا اصغر ماہنامہ تخلیق لاہور سے 1972 سے 1985 تک مدیر کی حیثیت سے مختلف اوقات میں وابستہ رہیں اور ماہنامہ نورونار میں بھی مدیر کی حیثیت سے کام کیا اور اپنا ذاتی شمارہ "تجدید نو" کے عنوان سے نکالتی رہیں جس میں ان کی بیٹی شبہ طراز معاون مدیر کی حیثیت سے شامل رہیں۔

عذرا اصغر کو شاعری سے بھی خاصا شغف تھا۔ ابتدائی زمانے میں غزلیں، آزاد نظم، ماہیے اور ہائیکو بھی کہے جو کہ مختلف رسائل میں چھپ چکے ہیں۔ لکھنے لکھانے کے علاوہ عذرا اصغر باغبانی کا شوق بھی رکھتی ہیں۔ گھریلو زندگی میں بھی کامیاب ہیں۔ گویا عذرا اصغر ایک وضع دار، ملنسار، مہمان نواز اور پررعب شخصیت کی حامل خاتون ہیں۔ اس مکالمے میں عذرا اصغر کے اولین افسانوی مجموعہ "پت جھڑ کا آخری پتا" سے چند ایک افسانوں پر تبصرے کے ذریعے ان کے فن کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی جو 1980 میں پہلی بار منظور پریس لاہور سے چھپا۔ اس مجموعے کا پہلا افسانہ "گھس بیٹھے" ہے جو سیدھی سادھی حقیقت نگاری کی بہترین مثال ہے۔ مونولاگ کی تکنیک میں لکھا گیا یہ افسانہ مشرقی پاکستان کے المیے کا پس منظر اور وطن پرستی کے جذبات کو اجاگر کرتا ہے۔ گھس بیٹھے کا آغاز واحد متکلم کی بچی آشی کے ایک سوال سے ہوتا ہے۔ امی تخریب کار کیسے کہتے ہیں؟ اس افسانے میں کرداروں کے حوالے سے واحد متکلم کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی کہانی کچھ یوں ہے کہ واحد متکلم کا کزن رضوان ہے تقسیم ہند سے قبل یہ دونوں مل کر مٹی کے گھروندے بناتے ہیں اور مستقبل میں گھروندے بنانے کے وعدے بھی کرتے ہیں۔ لیکن جوانی کی دہلیز پر پہنچتے ہیں تو اُن کے یہ وعدے بٹوارے کی نظر ہو جاتے ہیں۔ رضوان اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر بھارتی فوج میں بھرتی ہو جاتا ہے اور اس افسانے کی واحد متکلم ہیروئن پاکستان آنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ مشرقی پاکستان میں بھارتی تخریب کار گھس آتے ہیں۔ رضوان کی یادیں اس کے دل کے جھروکے میں آباد ہیں۔ دل رضوان مانگتا ہے اور دماغ وطن کی سلامتی وطن کی محبت ہر جذبے پر غالب آتی ہے۔ اور وہ اپنے خیالوں میں رضوان سے مخاطب ہے:

"تم نے مجھ سے ہر رشتہ ناطہ ختم کر لیا۔ محض اس لیے کہ مجھے پاکستان سے محبت تھی جو ہے جو رہے گی یوں تم نے چپکے سے ہی میرے دل میں نفرت کا بیج بو دیا۔"(4)

یہ افسانہ محبت اور فرض کی کش مکش کو ظاہر کرتا ہے۔ اس افسانے میں واحد متکلم کے ذہنی کرب کی کیفیت بھی نمایاں ہے وطن پرستی کے جذبے کو جس خوبصورتی سے اجاگر کیا گیا وہ قابل ستائش بھی ہے اور غور طلب بھی:

"رضوان بھیا! جنگیں تو سرحدوں پر لڑی جاتی ہیں۔ فتح وشکست کا فیصلہ میدان کارزار میں ہوتا ہے۔ مگر یہ کیسی جنگ ہے جو میرے اندر برپا ہے۔۔۔۔ رضوان بھیا واپس پلٹ جاؤ اس سے پہلے کہ میں تم سے انتقام پر آمادہ ہو جاؤں تمہارا خون میرے ہم وطنوں کے پاکیزہ خون میں شامل نہ ہو جائے لوٹ جاؤ۔"(5)

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ واحد متکلم کا اعتقاد مضبوط اور جرات مندانہ ہے اس کی پہلی ہمدردی۔ پہلی تمنا اور پہلا کرب اپنا وطن اور اس کے مسائل ہیں. میرزا ادیب اس افسانے پر تبصرہ کرتے ہیں:

"افسانہ نگار نے اس افسانے میں بلا کا کرب بھر دیا ہے۔ یہ اردو کے ان افسانوں میں شامل ہے جو ہمیشہ زندہ رہیں گے۔"(6)

اسلوب کے اعتبار سے یہ افسانہ سادہ اور رواں انداز اور صیغہ واحد متکلم میں لکھا گیا خوبصورت اور عمدہ جذبات کے اظہار کے حوالے سے اور 1965 اور 1971 کی جنگوں میں کام آنے والے جانثاروں اور غازیوں کی داستان ہے. اس حوالے سے یہ ایک المیہ اور ہزیمہ کہانی بھی ہے:

"اور شمع بجھ گئی" اس مجموعے کی دوسری کہانی جو سوتیلی ماں کے کردار کی عکاسی کرتی ہے۔ اور باپ کی شفقت سے محروم ہونے کا نوحہ ہے۔ جو شاید افسانہ نگار کی ذاتی زندگی کی عکس بندی بھی کرتا ہے۔ ہسپتال، مدت، منکر نکیر، حساب کتاب... خواب میں بھیا کا سفید چہرہ، باپ کی موت کے بعد ہر آہٹ پر آواز کا مر جانا واحد متعلم کے جذبات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ "ابا مر چکے تھے اور پھر میں بھی مر گئی بھلا ان کے بغیر جیتی بھی کیسے؟"(7)

شمع بجھنے کا استعارہ اپنے بطن میں معنویت لیے ہوئے ہے سعادت سعید تبصرہ کرتے ہیں:

"۔۔۔۔ عذرا اصغر کی فنی مہارت کی بدولت یہ افسانہ زمانی حدود کو پھلانگتا ہوا نظر آتا ہے۔"(8)

صیغہ واحد متکلم کی تکنیک میں لکھا گیا خود سوانحی افسانہ ہے۔ اس طرح لکھنے اور پڑھنے کے مابین ایک تعلق قائم رہتا ہے جو ابلاغ کے لیے بنیادی شرط بھی ہے اور مکالماتی انداز ہے۔ اس کہانی میں المیہ مرکزی کردار کی ذات سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ کہانی زندگی سے پیدا شدہ کرب کا ایک منظر نامہ تیار کرتی ہے۔ جو معاشرتی حقیقت نگاری کو خوبصورتی سے سامنے لاتا ہے اور متوسط طبقے کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس مجموعے کا تیسرا افسانہ "آڑو کے پھول" ہیں۔ متوسط طبقے کی کہانی جس میں خیال اور حقیقت کا تصادم پیش کیا گیا ہے۔ بے لوث محبت کی عجیب وغریب کہانی جو بے بسی اور بے کسی کا کھلا اظہار ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار پڑھا لکھا متوسط طبقے کا ایک نوجوان جو آڑو کے پھول پر ایک خوبصورت نظم تو لکھ سکتا ہے۔ لیکن اس کے گھر میں اتنی جگہ نہیں کہ وہ آڑو کا ایک درخت بھی لگا سکے۔ اس کی محبت کسی اور کی ہو جاتی ہے جو اس سے آڑو کا باغ دلا سکتا ہے۔

اس کی محبوبہ اُسے حقیقت پر مبنی بات کرتی ہے:

"سنو الفت خان، ان خالی خولی نظموں سے زندگی نہیں گزرتی میرے شوہر نے میرے گھر میں آڑو کا باغ لگوایا ہے۔ اگلے سال جب بہار آئے گی تو ہالے الفت خان ذرا غور کرو کتنا حسین لگے گا وہ گھر جہاں آڑو کا ایک پودا نہیں لگ سکا"(9)

المیاتی تاثر پر منتج ہوتی ہوئی یہ کہانی جو پیغام دیتی ہے کہ یہ وہ کہ محبت کے تقاضوں اور طبقاتی معاشرے میں خواہشات کی تکمیل نچلے متوسط طبقے یا غریب طبقے کی پہنچ سے دور ہے۔ گویا آڑو کے پھول طبقات کے پس منظر میں ناکام سکستی ہوئی محبت کا آئینہ دار ہے۔ جو مصنفہ کے مشاہدے کے اظہار میں ایک مہذب طرز بیان ہے۔ اس افسانے کا اسلوب سادگی اور جاذبیت کا عکاس بھی ہے۔ اس مجموعے کا چوتھا افسانہ تماشا میرے آگے" انسانی بے حسی، خود غرضی اور طبقاتی تضاد کا موثر اظہار ہے:

"ماں کہتی تھی بیٹا بڑے آدمیوں کی موت بھی جشن ہے اور غریب کا جشن بھی موت سے بر تر بد تر، ماں سچ ہی تو کہتی تھی۔"(10)

یہ افسانہ ہمارے معاشرتی رویوں اور طبقاتی تفاوت پر مبنی ایک مختصر افسانہ ہے مگر یہ اختصار ہمارے ذہنوں پر ایک بھرپور تاثیر اور سوالیہ نشان چھوڑ جاتا ہے کہ انسانیت کے نام پر کھلا طنز ہے. اقتباس ملاحظہ ہو:

"شیخ رحمت اللہ اس ٹھاٹھ سے مرے تھے کہ کوسوں میل سڑک پر کاروں کے ماڈلز کا سیلاب امڈ پڑا ہے۔ گلشن پور والی آپا کے شوہر جو خانساماں تھا کا جنازہ جب بڑے ہسپتال سے لایا گیا تب گلشن پور والی آپا بچوں کے ساتھ تمام رات لاش کے پاس تنہا بیٹھی یسین پڑھتی رہی تھی اڑوس پڑوس کے لوگ بس کان بھوں چڑھا کر رہ گئے ارے وہ تو نوکر تھا ناں شاہ صاحب کا"(11)

اس مجموعے کے پانچویں افسانے "سہارا" میں چڑیا چڑے کی علامت کے ذریعے معاشرے میں مرد اور عورت کے ساتھ کی اہمیت پر زور دیا گیا۔ تمثیلی انداز میں چڑیا کے ذریعے عورت کی بے بسی اور انسانی اقدار کے خاتمے کا المیہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کہانی کو پڑھ کر یہ شک گزرتا ہے کہ شاید اس چڑیا سے پہلے بھی ملاقات ہو چکی ہے۔ کہیں یہ یلدرم والی چڑیا تو نہیں جو اپنے چڑے کے ساتھ ایک گھر کی چھت کی کڑیوں میں دبکے انسانی زندگی سے مماثلت پیدا کر چکی ہے۔ یا یہ انتظار حسین والی چڑیا تو نہیں جو سردی کے باعث بھرے ہوئے پنکھوں کے سروں میں اپنا آشیانہ بناتی ہے۔ مگر نہیں جس طرح انتظار حسین کی چڑیا یلدرم سے مختلف ہے۔ اسی طرح عذرا اصغر کی چڑیا بھی اپنی ذات میں ایک فرد ہے۔ چڑیا کو علامت بنا کر انسانی اقدار کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ پلاٹ منطقی انداز میں آگے بڑھتا ہے اور خوبصورت انداز میں انجام کو پہنچتا ہے۔

اس مجموعے کا اگلا افسانہ "سات تصویریں" ہے جس میں امیری غریبی کے فرق کو ایک نئے زاویے سے بیان کیا گیا ہے اور ایسی سوچ اور لوگوں کی مذمت کرتا ہے جو ایک ہی جست میں ایک طبقے سے دوسرے طبقے تک جانے کے خواہاں ہوتے ہیں. کہانی کچھ یوں ہے کہ رضیہ ایک غریب لڑکی ہے جسے امیر بننے کے شوق نے فاحشہ بننے پر مجبور کر دیا اور بالآخر اس کی تصویریں اخبار میں چھپنے لگتی ہیں وہ معاشرے میں بدنام ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ افسانہ لالچ اور طمع میں مبتلا افراد کے منہ پر ایک طمانچہ ہے۔ اس افسانے میں عذرا اصغر نے رضیہ کے کردار کی نفسیاتی کش مکش باریک بینی کو جنم دیتی ہے۔ اس افسانے سے ایک عام تاثر یہ بھی ملتا ہے کہ غربت گناہ کو جنم دیتی ہے۔ رضیہ مرکزی کردار اپنے حالات بدلنے کے شوق میں گناہ اور بدنامی کے راستے پر چل پڑتی ہے۔ یہ افسانہ ہمارے معاشرے پر کھلا طنز ہے اور حقیقت نگاری کی بہترین مثال بھی ہے۔ انسانی فطرت اور

نفسیات کی عمدہ عکاسی ملتی ہے۔اس افسانے میں یکایک موڑ پیدا کرنے والے اچنبھے میں ڈال دینے والی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔افسانہ "ڈھب" کا موضوع بھی نچلا طبقہ ہے ایک عام خیال کے بر عکس عذرا اصغر نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ معاشرے میں ہوس کا نشانہ صرف مرد ہی عورت کو نہیں بناتا بلکہ کچھ عورتیں بھی اس کام میں شامل ہوتی ہیں۔جمعدارنی اور اس کی بیٹی زرینہ اس افسانے کے مرکزی کردار کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتی ہیں وہ اپنی شرافت کی وجہ سے ان کی چال میں نہیں آتا تو اس کو نامردی کا طعنہ دیا جاتا ہے:

"۔۔۔ماں وہ بابو مرد ہی کب ہے جس کے پاس تو مجھے چھوڑے جا رہی ہے زرینہ کی آواز رندھ گئی۔"(12)

یہ افسانہ بھرپور طنز ہے کہ اگر کوئی انسان اپنا وقار اور تقدس برقرار رکھنا چاہتا ہے۔لیکن اس کی نیک نیتی کے اضطراری عمل کو اس کی کمزوری سمجھ لیا جاتا ہے۔قوت مشاہدہ اور اختصار اس افسانے کی خوبی ہے۔مصنفہ مہترانیوں اور بھگنوں کی نفسیات سے بخوبی آگاہ ہیں۔اس کہانی کے ذریعے کہانی ایک گہری سوچ لے کر رخصت ہوتی ہے ہر قوم کی کچھ اخلاقی و تہذیبی اقدار ہوتی ہیں۔ایک مہذب قاری بھی ان اقدار کے احترام کا تقاضا مصنف سے کرتا ہے۔اس ضمن میں پروفیسر رشید بیان کرتے ہیں:

"عذرا اصغر کا بے خوف اظہار منٹو کے جرات مندانہ اظہار سے قطعی مختلف ہے۔"(13)

اس افسانے میں ڈھٹائی یا بے حیائی کا شائبہ تک نہیں اور نہ ہی تلخی ہے۔اس طرح ایک صحت مندانہ ادب وجود میں آتا ہے۔کرداروں کی نفسیات کا عمیق مطالعہ بھی شامل ہے۔

اس مجموعے کا آٹھواں افسانہ "بہلاوا" ہے۔یہ افسانہ پاکستان دوستی اور انسان دوستی اور حب الوطنی کے جذبات کا آئینہ دار ہے۔اس افسانے کا مرد کردار جمشید لڑتے ہوئے شہید ہو جاتا ہے۔جس سے واحد متکلم خاتون محبت کرتی ہے۔اس کی یہ محبت جمشید کی شہادت کے بعد وسعت اختیار کر جاتی ہے۔اب اسے وہ سب لوگ عزیز ہیں جو وطن کی خاطر اپنی جان قربان کر چکے اس میں مشرقی پاکستان کے سانحہ کا پس منظر بھی ملتا ہے۔آزاد علاقوں پر دوسرے ملکوں کی جارحیت پر احتجاج ملتا ہے آزادی کے تحفظ کے لیے نبرد آزما قوم کو غیرت مند قوم سے بھی تعبیر کیا گیا۔خود کلامی کی تکنیک میں لکھا گیا یہ افسانہ وطن سے محبت کے شدید جذبات کا مظہر ہے۔فلیش بیک کی تکنیک بھی ملتی ہے۔اسلوب سادہ اور دلکش ہے فکری گہرائی بھی ملتی ہے۔پاکیزہ اور ارفع محبت کے اظہار کی ایک اچھی مثال ہے۔اس مجموعے کا نواں افسانہ پت جھڑ کا آخری پتا جو افسانوی مجموعے کا عنوان بھی ہے۔اس افسانے کی کہانی ہمارے معاشرے میں مرد سے ایک عورت کا دھوکا کھانے کی آفاقی نوعیت پر مبنی ہے۔اس معاشرے کا فرد عورت کو اپنی جاگیر سمجھتا ہے۔ایک ہرجائی اور منافق مرد کا مطالعہ ہے جو ہر لڑکی سے ایک ہی فقرہ کہتا ہے اس فقرے کا نقطہ عروج اس وقت سامنے آتا ہے کہ مونولاگ کی شکل میں اس افسانے کی ہیروئن واحد متکلم کا اپنے کانوں سے یہ فقرہ دوسری لڑکی کی نسبت سے سنتی ہے:

"خزاں کا وہ آخری پتا بھی ٹوٹ کر دھول میں مل گیا جسے میں نے یقین کے دھاگے کے ساتھ باندھ کر لٹکا چھوڑا تھا۔"(14)

اس مجموعے کا نواں افسانہ پت جھڑ کا آخری پتا جو افسانوی مجموعے کا عنوان بھی ہے۔اس افسانے کی کہانی ہمارے معاشرے میں مرد سے ایک عورت کا دھوکا کھانے کی آفاقی نوعیت پر مبنی ہے۔اس معاشرے کا فرد عورت کو اپنی جاگیر سمجھتا ہے۔ایک ہرجائی اور منافق مرد کا مطالعہ ہے جو

ہر لڑکی سے ایک ہی فقرہ کہتا ہے اس فقرے کا نقطہ عروج اس وقت سامنے آتا ہے کہ مونولاگ کی شکل میں اس افسانے کی ہیروئن واحد متکلم کا اپنے کانوں سے یہ فقرہ دوسری لڑکی کی نسبت سے سنتی ہے:

"خزاں کا وہ آخری پتا" بھی ٹوٹ کر دھول میں مل گیا جسے میں نے یقین کے دھاگے کے ساتھ باندھ کر لٹکا چھوڑا تھا۔"(15)

اس مجموعے کا دسواں افسانہ "بات ایک رات کی ہے" یہ بلیوں کے موضوع پر مبنی ایک کہانی ہے اس افسانے میں یوں لگتا ہے کہ مصنفہ نے اردو کی کسی افسانہ نگار کو سامنے رکھ کر ان کے معروف پالتو جانوروں کی جبلت کا مطالعہ کیا ہے۔ اور انسانی جبلت پر ایک طنز بھی کیا ہے۔

ڈاکٹر حسرت کاسنجوی بیان کرتے ہیں:

"عذرا کی خوبی یہ ہے کہ وہ بے تکلفانہ انداز اور ماحول کو اپنے فن کا حصہ بناتی ہیں۔ وہ بڑی سے بڑی بات اس انداز میں کہتی ہیں جو زندگی میں عام ہے اور اس کے لیے کسی الگ اہتمام کی ضرورت نہیں اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کہانی کے نتائج چونکا دینے والے ہونے کے بجائے غیر فطری یا مصنوعی معلوم نہیں ہوتے۔"(16)

یہ کہانی تمثیلی انداز میں انسانی بے بسی اور انسانی اقدار کے خاتمے پر لکھی گئی ہے۔ یہ ایک علامتی افسانہ ہے اس میں انسانوں سے زیادہ جانوروں لی اہمیت ہے۔ اس افسانے میں مغرب زدہ سوچ کی عکاسی کی گئی ہے۔ انسانی رشتوں کو چھوڑ کر جانور ،کتے اور بلیوں سے پیار ایک طرف ندسیاتی مسائل کو آشکار کرتا ہے تو دوسری طرف انسان کی بے بسی کا اظہار بھی ہے۔ اس افسانے میں جانوروں کی نفسیات کو بھی عمدہ طریقے سے بیان کیا گیا ہے:

"رسم کے مطابق بنولے اپنے بچوں کو سات گھر میں جھنکائے مگر پھر ایمانداری کے ساتھ سب بچوں کو لے کر واپس اپنے گھر کو آگئی۔"(17)

عذرا اصغر معاشرے کی ناہمواریوں اور قباحتوں کا اظہار گہرے طنز کے حوالے سے بھی کرتی ہیں ان کے ہاں اشارے کنائیوں اور تشبیہات کا استعمال بھی ملتا ہے وہ روانی بے تکلفی، سنجیدگی کے ساتھ بنیادی مسائل کا ذکر کرتی ہیں۔ ان کا انداز ایک مبلغ کا نہیں ہوتا، ان کے بیشتر افسانوں میں واحد متکلم کا صیغہ استعمال ہوا ہے وہ اپنے کرداروں کی نفسیات سے بھی آگاہ ہیں۔ ان کے تخلیق کردہ کردار آزادی کے ساتھ فیصلہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایسا احساس نہیں ہوتا کہ عذرا اصغر نے اپنے کرداروں کو کہیں پابند کیا ہے۔ عذرا اصغر کے افسانے پڑھنے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ اپنے افسانوں میں خود موجود ہیں۔ عذرا اصغر کے ہاں کہانی بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اختصار ان کا خاصا ہے۔ جتنی بات کی ضرورت ہوتی ہے وہ اتنا ہی کہتی ہیں۔ ان کی کہانیاں. ان کے ذاتی تجربے اور مشاہدے سے عبارت نظر آتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ خیالات کی معنویت بھی ان کا خاصا ہے۔ عذرا اصغر نے جدید رنگ تو استعمال کیا لیکن کلاسیکی کہانی کے عناصر کے ساتھ ان کا رشتہ برقرار ہے۔ حسرت کاسنجوی بیان کرتے ہیں:

"عذرا کی کہانی کے پس منظر فلسفیانہ پہلو تو ہوتا ہے۔ اس میں خشکی اور بھاری پن نہیں ہوتا بلکہ یہ فلسفہ کہانی کے ساتھ مل کر خود کہانی کا حصہ بن جاتا ہے۔ جسے باوجود کوشش کے کہانی سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔"(18)

ان کے موضوعات میں تنوع ہے۔ وہ زندگی کو مختلف زاویوں سے پرکھتی ہیں۔ یوں زندگی اور معاشرے کے مختلف تصادم ان کے افسانوں کا موضوع بنتے ہیں۔ ان کے افسانوں کا مرکزی موضوع عورت ہے۔ وہ عورت کو باشعور اور مضبوط دیکھنے کی خواہاں ہیں علاوہ ازیں جنس کو بھی انھوں نے افسانوں کا موضوع بنایا لیکن جنس کا ذکر ان کے ہاں اشاروں کنائیوں میں ملتا ہے۔اس ضمن میں وزیر آغا ان کے افسانوں پر تبصرہ کرتے ہیں:

"عذرا نے اپنے افسانوں میں پوری زندگی کو موضوع بنایا لا محالہ اس نے جنس کو بھی شجر ممنوعہ قرار نہیں دیا۔ تاہم اہم بات یہ ہے کہ اس نے اپنے معاشرے اور تہذیب کے تقاضوں کے پیش نظر کسی قدر شائستہ اور سلجھے ہوئے انداز میں اس کا ذکر کیا میری رائے میں اس خاص موضوع کی پیش کش کے سلسلے میں ہماری خواتین افسانہ نگار عذرا کے اس سائشتہ رویے کو بطور ایک مثالی نمونہ اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔"(19)

محبت بھی عذرا اصغر کے افسانوں کا موضوع ہے۔ وطن سے محبت کا جذبہ بھی ہے۔ ان کے ہاں معاشرتی ناہمواریوں کا ذکر بھی ہے۔ خود غرضی اور منافقت جیسے منفی رویوں کو بھی اجاگر کیا ہے۔ گویا ان کے ہاں متنوع اور جاندار موضوعات ملتے ہیں۔ انیسویں صدی کے آخری عشرے میں خواتین افسانہ نگاروں کی فہرست میں عذرا اصغر کا نام بھی اہم ہے۔ اس حوالے سے صفدر رشید یوں اظہار کرتے ہیں:

"عذرا کا نام خواتین افسانہ نگاروں میں ممتاز اور منفرد حیثیت و اہمیت کا حامل ہے۔ وہ گذشتہ تیس سالوں سے قلم کے ذریعے عرفان ذات سے ادراک کائنات کے تہ درتہ امکانات کی تصویر و منظری کشی کا فریضہ بڑی ہنر مندی اور فنی چابکدستی کے ساتھ ادا کر رہی ہیں۔ ان کے موضوعات معاشرتی اصلاح و فلاح کی کوکھ سے پھوٹتے ہیں۔ اور حب الوطنی کے بے پایاں احساسات و جذبات کا احاطہ کرتے ہوئے انسانی فکر و ذہن کو جھنجھوڑتے چلے جاتے ہیں۔"(20)

عذرا اصغر کے افسانوں کی خوبی یہ ہے کہ وہ نوجوان نسل کو تصوراتی دنیا کے خواب دکھانے کے بجائے حقیقی زندگی کے ٹھوس مسائل کے ذریعے نئے شعور کا احساس دلاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ آج کے مادیت پرستی کے دور میں دکھ اور آگہی کو بڑی شدت سے محسوس کرتی ہیں۔ پت جھڑ کا آخری پتا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"بعض حادثے کتنے چپ چاپ ہوتے ہیں۔ جا می کہ کسی کو کانوں کان پتا بھی نہیں چلتا اور جب ہماری روح چھلنی چھلنی ہو جاتی ہے۔ تب ہم چونکتے ہیں۔ مگر اب اتنی دیر ہو چکی ہے کہ کوئی بھی مرہم اس زخم کا مداوا نہیں بن سکتا۔ جس کی گہرائی دل کے آخری سرے تک ہوتی ہے۔"(21)

نشاط فاطمہ عذرا اصغر کے ادبی مقام پر بحث کرتے ہوئے بتاتی ہیں:

"اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہیں ہو گا کہ موجودہ دور میں عذرا ایک باسلیقہ اور ابھرتی ہوئی ادیب ہیں۔ ان کی تحریریں یہ احساس دلاتی ہیں، کہ محض ادب کے لیے ادب تخلیق ہو رہا ہے۔"(22)

اسی باب کے تسلسل میں مصباح مرزا یوں بیان کرتی ہیں:

"عذرا کی کہانیاں بیانیہ اور سہل انداز سے زندگی کی بے رحمیوں اور چیرہ دستیوں پر نشتر لگاتی چلی جاتی ہیں۔ وہ جدیدیت کے شوق میں اشارے کنائے اور بے ربط الفاظ کے الجھاؤ سے دامن بچاتے ہوئے سادگی سے کہانی بنتی چلی جاتی ہیں۔ ان کی کہانیوں میں بڑے بڑے دلانوں، اونچی محرابوں والے روشن مکانوں کے ابتدائی دور کی روایت پسندی. سادگی و پرکاری کی خوشبو کے ساتھ بیسویں صدی کی جدیدیت کے نام اجنبیت، آلودگی گھٹن اور تنگ نظری بھی نمایاں ہے "(23)

عذرا اصغر کے افسانوں کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ افسانے کے اختتام تک تناؤ قائم رکھتی ہیں۔ اور آخری جملے میں اسے نیا موڑ دے کر تاثیر پیدا کرتی ہیں۔ یہی تکنیک اُن کے بیشتر افسانوں میں نظر آتی ہے اور ان کا ہر افسانہ معاشرتی زندگی کی ایک نئی پرت کھولتا ہے۔

میرزا ادیب عذرا اصغر کی افسانہ نگاری کے حوالے سے یوں تبصرہ کرتے ہیں:

"عذرا کے تجربات و مشاہدات کی دنیا بڑی وسیع ہے اس میں انسان بھی سانس لے رہے ہیں پرندے بھی نظر آتے ہیں۔ عذرا اصغر انسانی زندگی کی اعلیٰ قدروں کی دل و جان سے قائل ہیں۔ جب وہ اعلی انسانی اقدار کو انسانوں کے درمیان نہیں پاتیں تو ان کی تلاش انھیں پرندوں کی دنیا میں لے آتی ہے۔"(24)

میرزا ادیب عذرا اصغر کی افسانہ نگاری کے حوالے سے ایک جگہ یوں بیان کرتے ہیں:

"عذرا کا فن ابھی اس مقام سے دور ہے جب فکر کی پختگی تخلیقات کو فنکارانہ عظمت عطا کر دیتی ہے۔ مگر جس تیز رفتاری سے وہ ارتقائی منازل طے کر رہی ہیں۔ اسے دیکھ کر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اس نئی افسانہ نگار کے اندر بڑی افسانہ نگار کے اندر ایک بڑی افسانہ نگار پرورش پا رہی ہے اور مستقبل قریب میں ہمارے افسانوی ادب میں ایک خوبصورت اضافہ ہونے والا ہے۔"(25)

الغرض ناقدین کی آرا کی روشنی میں عذرا اصغر اپنے عہد کی ایک اہم افسانہ نگار ہیں ان کے موضوعات اپنے مخصوص اسلوب اور سادہ حقیقت نگاری کی بنا پر اہمیت کے حامل ہیں۔ جن کی بنا پر اپنی معاصر خواتین افسانہ نگاروں میں انفرادیت کی حامل ہیں۔ عذرا اصغر کے افسانے سماجی حقیقت نگاری کے تناظر میں عہد حاضر کے معاشرتی مسائل کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں سماجی ناانصافی، صنفی کردار، طبقاتی تفریق اور فرد کے نفسیاتی مسائل جیسے موضوعات نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہ تحقیق ان کے تخلیقی اظہار کے اس پہلو کا تجزیہ کرتی ہے، جو جدید معاشرے کی پیچیدگیوں کی عکاسی کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1۔ راقمہ کا عذرا اصغر سے انٹرویو

2۔ بشیر سیفی، ڈاکٹر، تنقیدی مطالعے، نذیر سنز پبلی کیشنز، لاہور، 1985، ص56

3۔ راقمہ کا عذرا اصغر سے انٹرویو

4۔ عذرا اصغر، گھس بیٹھیے (افسانہ) مشمولہ: پت جھڑ کا آخری پتا، اشاعت دوم، مقبول اکیڈمی لاہور، 1989، ص10
5۔ ایضاً، ص:10-11
6۔ میرزا ادیب، اردو کی ایک جدید افسانہ نگار، پت جھڑ کی تقریب رونمائی کے موقع پر تبصرہ
7۔ عذرا اصغر، اور شمع بجھ گئی (افسانہ) مشمولہ: پت جھڑ کا آخری پتا، ص:19
8۔ سعادت سعید، عذرا اصغر کے افسانے، پت جھڑ کا آخری پتا کی تقریب رونمائی کے موقع پر تبصرہ
9۔ عذرا اصغر، آڑو کا پھول (افسانہ) مشمولہ: پت جھڑ کا آخری پتا، ص:65
10۔ عذرا اصغر، تماشا میرے آگے (افسانہ) مشمولہ: پت جھڑ کا آخری پتا، ص:28
11۔ ایضاً، ص:28-29
12۔ عذرا اصغر، ڈھب (افسانہ) مشمولہ: پت جھڑ کا آخری پتا، ص:55
13۔ رشید، پروفیسر، پت جھڑ کا آخری پتا کی تقریب رونمائی کے موقع پر
14۔ عذرا اصغر، پت جھڑ کا آخری پتا (افسانہ) مشمولہ: پت جھڑ کا آخری پتا، ص:69
15۔ عذرا اصغر، بات ایک رات کی ہے (افسانہ) مشمولہ: پت جھڑ کا آخری پتا، ص:73
16۔ حسرت کاسگنجوی، ڈاکٹر، عذرا اصغر کے افسانوں کا فنی تجزیہ، گدلا سمندر کی اشاعت پر تبصرہ، 29 دسمبر 1999
17۔ عذرا اصغر، بات ایک رات کی ہے (افسانہ) مشمولہ: پت جھڑ کا آخری پتا، ص:73
18۔ حسرت کاسگنجوی، ڈاکٹر، عذرا اصغر کے افسانوں کا فنی تجزیہ، گدلا سمندر کی اشاعت پر تبصرہ، 29، دسمبر 1999ء
19۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، عذرا کے افسانے، ماہنامہ اردو ادب، اسلام آباد، اشاعت اپریل، مئی 1994ء
20۔ صفدر رشید، معروف افسانہ نگار اور ادیبہ "روزنامہ بزنس ٹائم، اسلام آباد، 22 نومبر 1992ء
21۔ عذرا اصغر، پت جھڑ کا آخری پتا، ص۔64
22۔ نشاط فاطمہ، ایک تبصرہ، پت جھڑ کا آخری پتا کی تقریب رونمائی کے موقع پر، 7 جولائی 1980ء
23۔ مصباح مرزا، بیسوی صدی کی عذرا اصغر، ماہنامہ چہار سو، راولپنڈی، اشاعت، مارچ، اپریل 1999ء
24۔ مرزا ادیب، جدید افسانہ نگار، پت جھڑ کا آخری پتا کی تقریب رونمائی، 7 جولائی 1989
25۔ ایضاً

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. Raqma's interview with Azra Asghar
2. Bashir Saifi, Dr., Critical Studies, Nazir Sons Pablications, Lahore, 1985, p:56
3. Raqma's interview with Azra Asghar
4. Azra Asghar, Ghus Bethiye (Fiction) Including: Pat Jhar Ka Akhiri Pata, Second Edition, Maqbool Academy Lahore, 1989, p:10
5. Ibid, p:12-11
6. Mirza Adib, a modern Urdu short story writer, comments on the launch ceremony of Pat Jhar ka Akhiri Pata

7. Azra Asghar, Or shama buje gai(fiction) including: Pat Jhar ka Akhiri Pata, p:19
8. Saadat Saeed, Azra Asghar's short stories, comments on the launch ceremony of Pat Jhar ka Akhiri Pata
9. Azra Asghar, Aaro Ka Phool (fiction) including: Pat Jhar ka Akhiri Pata, p:65
10. Azra Asghar, Tamasha Mere Agye (fiction) including: Pat Jhar Ka Akhti Pata, p:28
11. Ibid, p:28 - 29
12. Azra Asghar, Dhab (fiction) including: Pat Jhar Ka Akhti Pata, p:55
13. Rashid, Prof, On the occasion of the launch ceremony of Pat Jhar Ka Akhti Pata
14. Azra Asghar, Pat Jhar Ka Akhti Pata (fiction) including: Pat Jhar Ka Akhti Pata, p: 69
15. Azra Asghar, Baat Ek Raat Ki Hai (fiction) including: Pat Jhar Ka Akhti Pata, p: 73
16. Hasrat Ka Sanjavi, Dr., Technical analysis of Azra Asghar's fiction, Commentary on the publication of Gadla Samundar, 29 December 1999
17. Azra Asghar, The Story of One Night (Fiction) Included: The Last Leaf of the Leaf, p: 73
18. Hasrat Ka Sanjavi, Dr., Technical Analysis of Azra Asghar's Stories, Comment on the Publication of Gadla Samundar, 29, December 1999
19. Wazir Agha, Dr., Azra's Stories, Urdu Adab Monthly, Islamabad, Published April, May 1994
20. Safdar Rashid, Famous Story Writer and Literary Writer, Business Time Daily, Islamabad, 22 November 1992
21. Azra Asghar, Pat Jhar Ka Akhri Pata, p:64
22. Nishat Fatima, A Comment, On the Occasion of the Launching Ceremony of Pat Jhar Ka Akhti Pata, 7 July 1980
23. Misbah Mirza, Azra Asghar of the 20th Century, Monthly Chahar So, Rawalpindi, Published March, April 1999
24. Mirza Adib, Modern Story Writer, Launching Ceremony of Pat Jhar Ka Akhri Pata, 7 July 1989
25. Ibid